Cat. 64

Sha.

VI

T111

تاباں

(انتخاب کلام غلام ربانی تاباں)

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

بار اوّل ۱۰۲۵

قیمت ۱۲ر

یونین پرنٹنگ پریس، دہلی

فہرست

۶

جب سکوتِ شام میں اِک نغمگی سی پاؤ گی
تم بھی اپنی زندگی میں کچھ کمی سی پاؤ گی

'پی کہاں' پیدا کرے گی جب فضا میں ارتعاش
زندگی کے ساز میں اک برہمی سی پاؤ گی

جھوم کر چھا جائے گی ساون کی جب کالی گھٹا
ان حسیں آنکھوں میں اک نازک نمی سی پاؤ گی

بے سبب پژمردہ، افسردہ رہو گی رات دن
بے سبب دلچسپیوں میں تم کمی سی پاؤ گی

ایک لذّت سی ملے گی داستانِ ہجر میں
غم کے افسانوں میں طرفہ دل کشی سی پاؤ گی

ہوک سی دل میں اُٹھے گی سُن کے کوئل کی صدا
میٹھے نغموں میں بھی غم کی چاشنی سی پاؤ گی

دیکھ کر رنگِ چمن دل کی کلی مُرجھائے گی
تم بہاروں میں بھی اِک افسُردگی سی پاؤ گی

جب کبھی بھولے سے دل میں یاد آئے گی مری
گرم پیشانی پہ تم کچھ کچھ نمی سی پاؤ گی

جب کسی اخبار میں دیکھو گی تم میرا کلام
آنکھ میں آنسو مگر دل میں خوشی سی پاؤ گی

"پھول"

یاد ہے تم کو بھی وہ ننھّا سا پھول

نرم و نازک، خوب صورت، بادہ فام
رنگ و بو کا پیکرِ رعنا تمام
وہ پیامِ حسن وہ حسنِ پیام
جو مجھے بھیجا گیا تھا ایک شام

ماہ وش، شعلہ جبیں، رنگیں قبا
کیف پرور، دل نواز و جاں فزا
غنچگی کا پیکرِ رنگیں ادا
نکہتوں کی گود کا پالا ہوا

عطر ریزو عطر بیز و عطر بار
صانعِ قدرت کا تازہ شاہ کار
خود نگارِ حُسن، خود حُسنِ نگار
فطرتِ صد رنگ کا آئینہ دار

جنّتِ احساس فردوسِ نظر
حُسن و خوبی کا مرقع سر بسر
نزہتِ جذبات کا پیغام بر
دعوتِ جُرأت بہ عُنوانِ دِگر

حُسن کا پیغمبرِ آتش زباں
ربطِ باہم کی مجسّم داستاں
ظاہری بے گانگی کا رازداں
باطنی کیفیتوں کا ترجماں

قاصدِ رنگیں قبائے التفات

مژدۂ عشرت فزائے التفات

حاملِ پیغام ہائے التفات

مظہرِ صد ادعائے التفات

بربادیٔ نکہت بہ تقاضائے نمو تھی

پھولوں کو مگر بادِ بہاری سے گلا تھا

"حیاتِ جاوید"

ایک دن تاریخ کی ظلمت میں کھو جاؤں گا میں
زندگی کی راہ میں پامال ہو جاؤں گا میں

یہ شفق آلود شامیں نرم و نازک سی فضا
ڈھل گئی رعنائیٔ فطرت مرے اشعار میں
گا چکا ہوں کتنے رنگیں گیت سازِ عشق پر
پڑھ چکا کتنے قصیدے حسن کی سرکار میں
اہلِ گلشن سے کہا افسانۂ برق و شرار
قصۂ مفلس سنایا محفلِ زردار میں

دی بشارت صبح کی ظلمت زدہ انسان کو
قلبِ عصرِ نو کی دھڑکن ہے مرے افکار میں
محرمِ اسرارِ فطرت ہے مری فکرِ رسا
بارہا پہنچا سوادِ ثابت و سیّار میں

میرے مرنے سے مرے اشعار مر سکتے نہیں
میری تصنیفیں مرے افکار مر سکتے نہیں

اُجالا کچھ تو ہے شمعِ سخن سے آج محفل میں
اگر یہ روشنی بھی بے وطن ہوتی تو کیا ہوتا

"پڑوسن"

صرف آواز سُنی ہے اس کی
شب کی تنہائی میں کیا گاتی ہے؟ کیوں گاتی ہے؟ یہ کون کہے؟
زمزمہ سوز بھی ہے ساز بھی ہے
پردۂ راز بھی غمّاز بھی ہے
کتنا غمگین ہے لہجہ اس کا
درد میں ڈوبا ہوا
ایک تصویر سی کھنچ جاتی ہے
دشتِ بے آب و گیاہ

اور سڑتی ہوئی گلتی ہوئی لاشیں ہر سمت
چیلیں منڈلاتی ہوئی۔ پنجے کھولے ہوئے، پر تولے ہوئے،
وادیِ مرگ ___

اجنبی گیت ۔ بم وزیر کا اک سیلِ رواں
جیسے سیّاروں کا نغمہ کہ سمجھ بھی نہ سکوں
(کوئی کہتا تھا کہ بنگالن ہے)
ہوگی...... مجھے کیا معلوم ___؟

"ایک رومان"

یہ رات اپنی ہے یہ ماہتاب اپنا ہے
یہیں یہ وقت کا سیلِ رواں ٹھہر جائے
ہمیں بھی چلنا ہے منزل تلک مگر اے کاش
ذرا سی دیر کو یہ کارواں ٹھہر جائے

پلائی آج جو رنگیں لبوں کے ساغر سے
کسی نے ایسی مئے تُند و تیز پی ہی نہیں
یہ کہکشاں یہ ستارے گواہ ہیں اے دوست
ترے علاوہ محبّت کسی سے کی ہی نہیں

گناہ! — زندگی بے رنگ ہے بغیر گناہ
حیات صحنِ چمن معصیت ہے فصلِ بہار
شرابی ہونٹوں کی مخمور انکھڑیوں کی قسم
رواج و رسم جہاں غرقِ بادۂ گلنار

ترا شباب ترا حُسن تیری رعنائی
کِھلیں یہ پھول تو سارا چمن مہک اُٹھے
طرب کی آگ کو بھڑکا دے اور بھڑکا دے
کہ زندگی کی فضائے خنک دہک اُٹھے

"یہ بھی غنیمت ہے........"

موت کی تاریکیوں میں چند لمحے کے لئے
زندگی کی شمعِ نورانی جلا سکتا تو ہوں
اس زبوں حالی پہ بھی تاباںؔ بہ فیضِ جام و مے
مُسکرا سکتا تو ہوں میں گنگنا سکتا تو ہوں

کون بوجھے یہ پہیلی۔ حُسن یا حُسنِ نظر
بزمِ خوباں میں غمِ ہستی بھلا سکتا تو ہوں
کیا غرض شیخ و برہمن کی سیاست سے مجھے
جس کو میں چاہوں خدا اپنا بنا سکتا تو ہوں

میری قسمت میں نہیں جامِ مئے عرفاں تو کیا
اس کے ہونٹوں کے چھلکتے جام پا سکتا تو ہوں

کہکشاں، ملنا ہے پرواز تخیّل سے بھی دُور
اس کا کوچہ رہ گزر اپنی بنا سکتا تو ہوں

میں فرشتہ بھی نہیں، صوفی بھی مُلّا بھی نہیں
آدمی ہوں آدمی کے کام آ سکتا تو ہوں

مرا خونِ دل بھی شامل ہے نگارِ انجمن میں
میں چراغِ عارضی ہوں مری روشنی دوامی

"کاٹھ گودام سے بھوالی تک....."

کتنی پُر پیچ ہیں کہسار کی راہیں ہمدم
کار ہر گام پہ بل کھاتی چلی جاتی ہے
سینۂ کوہ پہ درّاتی چلی جاتی ہے
کھوئی جاتی ہیں مناظر میں نگاہیں ہمدم

دامنِ کوہ میں وہ ندّی کنارے گاؤں
بام و دیوار پہ چھایا ہوا قرنوں کا جمود
زندگی پیٹ کے بل رینگ رہی ہے جیسے

....

پیڑ کی چھاؤں میں گاتے ہوئے چشمے کے قریب
جانے کیوں دیر سے بیٹھی ہے پہاڑی لڑکی
ملتجی نظریں ہیں بے گانۂ احساسِ شباب
....

اس طرف ایک ستم دیدہ پہاڑی مزدور
بارِ ہستی سے جھکے جاتے ہیں شانے جس کے
ہانپتا کانپتا منزل کی طرف جاتا ہے
....

دور اس وادیٔ شاداب میں وہ سیب کے باغ
دیکھ کر جن کو خجل ہوتا ہے باغِ رضواں
ان کو سینچا گیا انساں کے لہو سے صدیوں
....

کتنی پُرپیچ ہیں کُہسار کی راہیں ہمدم

کار ہر گام پہ بل کھاتی چلی جاتی ہے

سینۂ کوہ پہ درّاتی چلی جاتی ہے

کھوئی جاتی ہیں مناظر میں نگاہیں ہمدم

کسی نے وقتِ مستی جامِ مے چھلکا دیا ورنہ

چراغِ طور پر دار و مدار روشنی ہوتا

"پہاڑی گیت"

دُور وادی میں کوئی گیت کسی نے چھیڑا
تُند آواز اُٹھی، گونج فضا میں بکھری
تُند۔ جس طرح اُبلتا ہے پہاڑی چشمہ
گونجتا۔ سنگِ گراں بار سے ٹکراتا ہوا

اپنے اسلاف کی عظمت کہ زمانے کا گلہ
شومیٔ بخت کہ ابنائے وطن کا شکوہ
ڈیڑھ سو سال کی مجہول سیاست کے نقوش
کس طرح اجنبی ہاتھوں نے کیا ہے تاراج

یہ چمن زار یہ پُرکیف بہاروں کا وطن ،
یا کوئی منظرِ رنگیں ـــــ کوئی رودادِ عجیب
کسی دوشیزۂ کہسار کا افسانۂ عشق
کون بتلائے کہ اس گیت کا موضوع ہے کیا ؟

ـــــــ

ہر قدم پر تھا غرورِ حسن دامن گیرِ شوق
کس قدر دشوار تھا آنا مگر آئے تھے وہ

"احساس"

سوچتا ہوں تری محفل سے چلا جاؤں میں
رنگ و نکہت کا گراں بار کچل ڈالے گا
میری حساس طبیعت، مری خودداری کو
یہ شبستانِ مسرّت — تری اُلفت کی قسم
میری آوارہ مزاجی کو نہ راس آئے گا
جس طرح ساز سے گرتی ہوئی نغموں کی پُھوار
اور بھی تشنگیٔ شوق بڑھا جاتی ہے
تیری تابندہ جوانی ترا رخشندہ شباب

اور جذبات کو گُم راہ کریں گے اے دوست

زندگی کا کُل ورخسار میں کھو جائے گی

نغمۂ نکہت و انوار میں کھو جائے گی

میرا فن، میرا تخیُّل، مرے نازک افکار

عیش کی سرد فضاؤں میں ٹھٹھر جائیں گے

گیت۔ تاروں کے شراروں کے چمن زاروں کے

جن کو پہنانا ہے الفاظ کا ملبوس ابھی

تیری آغوش میں گھُٹ گھُٹ کے وہ مر جائیں گے

ساز ہی ساز ہے، محفل تری، آغوش تری

زیست گر سوز نہیں، کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں

سوچتا ہوں تری محفل سے چلا جاؤں میں

”دو سین“

شاعر نے اِک گیت سُنایا

بزم پہ جیسے مستی چھائی
پائل چھنکی —— ساغر چھلکا
عشق نے لی پھر سے انگڑائی
حُسن کے رُخ سے آنچل ڈھلکا
دُور اُفق پر تارے ناچے
ہوش ربا نظّارے ناچے
دُنیا ساری وجد میں آئی

شاعر نے اِک گیت سُنایا

بزم میں جیسے آگ لگائی
رگ رگ میں بیتاب شرارے
باغی نے تلوار اُٹھائی
بہ نکلے پھر خون کے دھارے
ایوانوں پر لرزہ طاری
سلطانوں پر لرزہ طاری
دُنیا میں اِک آندھی آئی

"موڑ"

پسِ حجاب ابھی تک ہیں کتنے نظّارے
اُفق کے پار ہیں رقصاں ہزار سیّارے

قدم بڑھا ذرا جلدی قدم بڑھا ہمدم
کہ کاروانِ تمنّا ہے سُست گام ابھی
جبینِ مہر پہ چھائی ہے ظلمتوں کی گرد
نگارِ صبح میں غلطاں ہے رنگِ شام ابھی
بہارِ لالہ و گل ہے خزاں
مذاقِ بال و پری ہے اسی

حیات آج بھی زحمت کشِ حدود و قیود

خرد بھی خام ابھی ہے جنوں بھی خام ابھی

ہزار صدیوں نے چھوڑے ہیں رنگ رنگ نقوش

مگر فسانۂ ہستی ہے ناتمام — ابھی

نیا جہان — نئی زندگی — نیا انساں

زمیں پہ کرنا ہے جنّت کا اہتمام ابھی

رمز و ایما و کنایات سے تم کھیل چکے

اب تو خوش ہو مرے جذبات سے تم کھیل چکے

"دیوالی"

وقارِ روح کے تاروں کو کیوں چھُوا تم نے
تمھاری نظم 'دیوالی' بہت ہی اچھّی ہے
مگر — یہ رات کی گردن میں دیپ مالائیں
سیاہیوں میں اُجالے کے بدنُما دھبّے
غریب حبشی کو جیسے جذام ہو جائے
یہ ٹمٹماتے دیئے —
یہ ٹمٹماتے دیئے صبح کا بدل تو نہیں
میں سوچتا ہوں کہ اس رات چین و برما میں
کسی محاذ پہ کتنے دیئے جلے ہوں گے
جوان خون کی ہر بوند اک کرن بن کر

اِک ایسی صُبح کی تشکیل کر رہی ہو گی

ہزار صدیوں کی تاریک و تیرہ راتوں میں

بنی رہی ہے جو انساں کے خواب کا مرکز

وہ صبح دُور نہیں

اندھیری رات کے سینے سے نور کا چشمہ

اُبلنے والا ہے

یہ ٹمٹماتے دیئے، لکشمی کے چرنوں میں

سبھی نے حسنِ عقیدت کے پھول ڈالے ہیں

وہ جن کو لکشمی دیوی سے قربِ خاص نہیں

گھروں میں اپنے بھی دیپک جلائے بیٹھے ہیں

شکستہ جھونپڑیوں کو سجائے بیٹھے ہیں

کہ اس طرف بھی عنایت کی اِک نظر ہو جائے
مگر وہ بھولتے ہیں
شکستہ جھونپڑیوں — ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں
کبھی بھی لکشمی دیوی نہ مسکرائے گی
کبھی بہار نہ ان کے چمن میں آئے گی
اگر وہ خود ہی نظامِ چمن نہ بدلیں گے

سیاہیوں کے نمائندے — رات کے بیٹے
ہمارے فکر و تخیّل کو باندھنے کے لئے
توہمات کی زنجیریں ڈھال لیتے ہیں
کبھی دیوالی کبھی شب برات آتی ہے

"جیل میں کسی کا خط پاکر"

فصلِ بہار میں بھی اسیرِ قفس ہوں میں
گلزار کی فضا کو مرا انتظار ہے

رنگِ فریب کوش کو ہے میری جستجو
بوئے گریز پا کو مرا انتظار ہے

تکتے ہیں میری راہ خیابانِ کیف خیز
دشتِ جنوں فزا کو مرا انتظار ہے

جیسے فسردہ ہو گئی بزمِ صدا و ساز
یارانِ خوش نوا کو مرا انتظار ہے

سُونے پڑے ہیں منبر و محراب میکدہ
رندانِ باصفا کو مرا انتظار ہے

اے دوست غم کے گھیرے اندھیرے ہیں آج بھی
اِک اخترِ وفا کو مرا انتظار ہے

یہ اور بات ہے کہ وہ منہ سے نہ کہہ سکے
اس پیکرِ حیا کو مرا انتظار ہے

ہیں میرے انتظار میں گیسوئے شام خیز
چشمِ سحر نما کو مرا انتظار ہے

اب بھی کھلا ہی بابِ ارم میرے واسطے
اب بھی مرے خدا کو مرا انتظار ہے

"قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے"

(روزنِ برگ جوڑے کی شہادت پر)

زندگی تختۂ صد مشقِ جفا آج بھی ہے
ہر قدم معرکۂ کرب و بلا آج بھی ہے
اہلِ دل آج بھی ہیں سازشِ دوراں کے شکار
فتنہ انگیزیٔ اربابِ جفا آج بھی ہے
شوخیٔ فکر و نظر مستحقِ دار و رسن
روشنیٔ طبع کی آشوبِ بلا آج بھی ہے
زہر کا جام ہو یا دار کا تختہ اے دوست
حق پرستوں پہ ہر اک ظلم روا آج بھی ہے

اب بھی ہے سرمدؔ و منصور کی سُنّت جاری
موت شائستۂ آئینِ بقا آج بھی ہے

لوحِ پیشانیٔ آدم میں ہوئی جس کی نمود
وہی تابؔ و تبِ پندارِ وفا آج بھی ہے

رہروِ راہِ محبّت کا ہر اک نقشِ قدم
راہ بر آج بھی ہے۔ راہ نما آج بھی ہے

بندش و جبر سے کچھ اور بڑھا ذوقِ خرام
طوفِ صحرا و چمن مثلِ صبا آج بھی ہے

کل تو جو ہو گی مکافاتِ ستم سو ہو گی
بزمِ اشرار میں اک حشر بپا آج بھی ہے

"ایک نظم"

ماننِد جام دور میں تاباں رہے ہیں ہم
یعنی حریفِ گردشِ دوراں رہے ہیں ہم

کس کس چمن میں گونجی ہے اپنی نوائے شوق
پھولوں کی انجمن میں غزلخواں رہے ہیں ہم

نکلا ہے جب جلوسِ بہاراں چمن چمن
سروِ رواں کے ساتھ خراماں رہے ہیں ہم

دورِ خزاں میں موسمِ برق و شرار میں
ناموسِ گلستاں کے نگہباں رہے ہیں ہم

نکلے ہیں گھر کو چھوڑ کے جس دم جنوں کے پاؤں
مہمانِ دشت و خارِ مغیلاں رہے ہیں ہم

کیا پوچھتے ہو آبلہ پائی کی لذّتیں
کانٹوں پہ فرطِ شوق سے رقصاں رہے ہیں ہم

تیرا بھلا ہو ذوقِ اسیری کہ مدّتوں
وابستۂ سلاسل و زنداں رہے ہیں ہم

اکثر کیا ہے راہِ طریقت سے انحراف
اکثر شریکِ محفلِ رنداں رہے ہیں ہم

شاہوں کو بھی نگاہ میں لاتے نہیں مگر
خدمت گزارِ بادہ فروشاں رہے ہیں ہم

جس شب ہوا ہے چشمۂ تسنیم پر گزر
اُس رات ایک حور کے مہماں رہے ہیں ہم

یہ حسنِ اتفاق کہ بیمار جب پڑے
زیرِ علاجِ عیسیٔ دوراں رہے ہیں ہم

اس چشمِ حیلہ ساز و لبِ حیلہ گر کی خیر
آوارۂ تتار و بدخشاں رہے ہیں ہم

دیر و حرم کی راہ سے گزرے تو بار بار
تنگی سے رہ گزر کی پریشاں رہے ہیں ہم

مقصودِ کفر و حاصلِ ایماں ہے زندگی
کافر رہے ہیں ہم، نہ مسلماں رہے ہیں ہم

علم و یقیں پہ تنگ تھا جب عرصۂ وجود
وہم و گماں سے دست و گریباں رہے ہیں ہم

ہر تازہ واردات سے نسبت ہمیں بھی ہے
ہر تازہ انقلاب کے عنواں رہے ہیں ہم

روشن ہیں بزمِ دہر میں مثلِ چراغِ طور
یہ اور بات ہے تہہِ داماں رہے ہیں ہم

"جہاں کہیں سے گزر ایک بانکپن سے گزر"

یہ حکم بارگہِ عشق سے ملا تاباںؔ
فریبِ لطف نہ کھا اس کی انجمن سے گزر

دلوں کا سوز نواؤں کو ساز دیتا ہے
جہاں خلوص نہ ہو منّتِ سخن سے گزر

وفا کی بو ہے گلوں میں نہ اعتبار کا رنگ
اسیرِ وہمِ بہاراں نہ ہو چمن سے گزر

وہ بزم تیری تمنّاؤں کا وطن ہی سہی
ہوا وطن کی نہ راس آئے تو وطن سے گزر

زرا اُٹھا تو زمانے کی تیز دھوپ کا لطف
گزر بھی سایۂ گیسوئے پُر شکن سے گزر

کہاں نصیب چمن میں فراغتِ صحرا
جنوں میں صحبتِ نسرین و نسترن سے گزر

یہ موت ہے کہ تو اک آستاں کا ہو جائے
وہ زندگی ہے کہ ہر دشت ہر دمن سے گزر

یہی روایتِ کنعانِ عشق ہے اے دوست
کہ آزمائشِ صد بوئے پیرہن سے گزر

فراقِ دوست طبیعت نہ ہو تو عشق نہ کر
نہ آئے خوش رمِ آہو تو پھر ختن سے گزر

چھپا ہے دامنِ گرداب میں درِ ساحل
کنارِ موج میں آ ساحلِ یمن سے گزر

نہ ہو کہیں ترا پندارِ عاشقی مجروح
فغانِ شوق کی رسم و رہِ کہن سے گزر

مقامِ ہجر ہو یا منزلِ وصالِ حبیب
جہاں کہیں سے گزر اک بانکپن سے گزر

—

ایک نظم

ظالم وہ تری پہلی نظر یاد رہے گی — میں بھولنا چاہوں بھی مگر یاد رہے گی
اک قاتل و معصوم ادا نقش ہے دل پر — اک سادہ و پرکار نظر یاد رہے گی
ہونٹوں سے چھلکتا ہوا نازک سا تبسّم — تابندگیِ سلکِ گہر یاد رہے گی
برسات کا بھرپور سماں یاد رہے گا — زلفوں کی گھٹا تا بہ کمر یاد رہے گی
آرائش و زیبائشِ جنّت کے نظارے — آسودگیِ ذوقِ نظر یاد رہے گی
تجدیدِ مراعات کے دلچسپ بہانے — ہر پرسشِ غم "بارِ دگر" یاد رہے گی
وہ عشق کا موسم وہ بہاروں کا زمانہ — بالیدگیِ کیف و اثر یاد رہے گی
ہر روز مناتے تھے جہاں جشنِ ملاقات — وہ راہ گزر راہ گزر یاد رہے گی

گلگشتِ چمن ساحلِ گنگا کے نظارے
آوارگیِ شام و سحر یاد رہے گی

آزردگیِ شوق پہ اک خاص ادا سے
تسکیں بہ اشاراتِ نظر یاد رہے گی

ظلمت کدۂ غم میں جلائی تھی جو تو نے
ہر سود میں وہ شمعِ ضرر یاد رہے گی

پابندیِ آدابِ محبت پہ وہ اصرار
فہمائشِ دزدیدہ نظر یاد رہے گی

دل اپنی ہزیمت کو تو اب بھول چلا ہے
ہاں دوست تری فتح و ظفر یاد رہے گی

جس شام مجھے ترکِ محبت کا ملا حکم
وہ شام بہ عنوانِ دگر یاد رہے گی

گو چھوٹ چکا مجھ سے گلستانِ فتح گڑھ
تا عمر تری اے گلِ تر یاد رہے گی

"قطعہ"

نہیں ہیں لب مرے آلودۂ آہ و فغاں تاباںؔ
اثر کی بات کیوں پہنچے خداوندانِ دلّی تک

بہت ہی فاصلہ یعنی خلائیں ہی خلائیں ہیں
زمیں گردانِ دلّی سے فلک تازانِ دلّی تک

یہ مانا ہم ابھی آوارۂ کوئے ملامت ہیں
خدا کے فضل سے پہنچے ہیں وہ ایوانِ دلّی تک

وہ بیچارے مگر پیچ و خمِ صحرا سے کیا واقف
جنوں محدود ہے جن کا چمن زارانِ دلّی تک

میسّر صحبتیں اہلِ جنوں کی ہیں تو کیا غم ہے
رسائی گر نہیں اپنی خردمندانِ دلّی تک

نشانہ بن نہیں سکتا یہ دل سونے کے تیروں کا
مرا پیغام پہنچا دو کمانداران دلّی تک

"زباں ان کی ہے ترکی اور میں ترکی سے ناواقف"
پہنچ میری ہو کیسے محفلِ ترکانِ دلّی تک

مصاحب بن کے کوئی خدمتِ فن کر نہیں سکتا
مری آواز جائے کاش فن کارانِ دلّی تک

"نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"
یہ پیغامِ جنوں پہنچے نوا سنجانِ دلّی تک

اگر میں عقل کی سنتا، خدا جانے کہاں ہوتا
جنونِ شوق لایا کھینچ کر یارانِ دلّی تک

غزلیات

جلوہ پابندِ نظر بھی ہے نظر ساز بھی ہے
پردۂ راز بھی ہے پردہ درِ راز بھی ہے

ہم نفس آگ نہ لگ جائے کہیں محفل میں
شعلۂ ساز بھی ہے شعلۂ آواز بھی ہے

یوں بھی ہوتا ہے مداوائے غمِ محرومی
جبرِ صیاد بھی ہے حسرتِ پرواز بھی ہے

میرے افکار کی رعنائیاں تیرے دم سے
میری آواز میں شامل تری آواز بھی ہے

زندگی ذوقِ نمو، ذوقِ سفر، ذوقِ طلب
انجمن ساز بھی ہے گرمِ تگ و تاز بھی ہے

میرے افکار و خیالات میں جاری تاباںؔ
حسنِ دہلی بھی ہے رعنائیِ شیراز بھی ہے

جنوں خود نما خود نگر بھی نہیں
خرد کی طرح کم نظر بھی نہیں

کسی راہ زن کا خطر بھی نہیں
کہ دامن میں گردِ سفر بھی نہیں

یہاں ہوش و ایماں سبھی لُٹ گئے
مزا یہ ہے ان کو خبر بھی نہیں

غمِ زندگی اِک مسلسل عذاب
غمِ زندگی سے مفر بھی نہیں

نظر معتبر ہے خبر معتبر
مگر اس قدر معتبر بھی نہیں

تری انجمن مرکزِ آرزو
تری انجمن میں گزر بھی نہیں

کہاں جائیں تاباںؔ گنہگارِ شوق
سزا بھی نہیں در گزر بھی نہیں

کوچۂ شوق رہِ فکر و نظر سے گزرے
نقشِ پا چھوڑ گئے ہم تو جِدھر سے گزرے

آج اے وحشتِ دل جانے کدھر سے گزرے
کتنے دلچسپ تھے منظر جو نظر سے گزرے

ہم بھی مسجد کے ارادے سے چلے تھے لیکن
میکدے راہ میں حائل تھے جِدھر سے گزرے

یہ وہ منزل ہے کہ الیاس بھی گم خضر بھی گم
ہائے آوارگیٔ شوق کدھر سے گزرے

کتنی امواجِ بلا پاؤں کی زنجیر بنیں
کتنے طوفانِ حوادث تھے کہ سر سے گزرے

زاہد و شیخ میں کیا کیا نہ ہوئی سرگوشی
میکدے جاتے ہوئے ہم جو اِدھر سے گزرے

آج تاباںؔ دلِ مرحوم بہت یاد آیا
بعد مدت کے جب اس راہ گزر سے گزرے

شبابِ حسن ہے برق و شرر کی منزل ہے
یہ آزمائشِ قلب و نظر کی منزل ہے

سوادِ شمس و قمر بھی بشر کی منزل ہے
ابھی تو پرورشِ بال و پر کی منزل ہے

قدم بڑھائے ہوئے شب نصیب ہم سفرو!
بہت قریب نگارِ سحر کی منزل ہے

یہ میکدہ ہے کلیسا و خانقاہ نہیں
عروجِ فکر و فروغِ نظر کی منزل ہے

ہمیں تو راس ہی آئی فغاں کی بے اثری
مگر بتاؤ تو کوئی اثر کی منزل ہے

وہ رہبریِ جنابِ خضر کی منزل تھی
یہ رہنمائیِ فکرِ بشر کی منزل ہے

یہ راز پا نہ سکے صاحبانِ ہوش و خرد
جنوں بھی ایک نگہِ پردہ در کی منزل ہے

قیام شاملِ مشقِ خرام ہے تاباںؔ
سفر کا ترک بھی گویا سفر کی منزل ہے

باوجودِ رسم و رہِ دُنیا کی پابندی بھی ہے — غالباً کچھ شیخ کو زعمِ خردمندی بھی ہے

بجلیوں سے سازشیں بھی کر رہا ہے باغباں — ہم چمن والوں کو حکمِ آشیاں بندی بھی ہے

حضرتِ دل کو خدا رکھے وہی ہیں شورشیں — دردِ محرومی بھی سوزِ آرزومندی بھی ہے

میکدے کی اصطلاحوں میں بہت کچھ کہہ گئے — ورنہ اس محفل میں دستورِ زباں بندی بھی ہے

ان کے جلوؤں کی فسوں سازی مسلّم ہے مگر — کچھ نگاہِ شوق کی اس میں ہنرمندی بھی ہے

اس نے تاباںؔ کر دیا آزاد یہ کہہ کر کہ جا
تیری آزادی میں اک شانِ نظر بندی بھی ہے

قصورِ عشق میں ظاہر ہے سب ہمارا تھا
تری نگاہ نے دل کو مگر پکارا تھا

وہ دن بھی کیا تھے کہ ہر بات میں اشارا تھا
دلوں کا راز نگاہوں سے آشکارا تھا

ہوائے شوق نے رنگِ حیا نکھارا تھا
چمن چمن لب و رخسار کا نظارا تھا

فریب کھا کے تری شوخیوں سے کیا پوچھیں
حیات و مرگ میں کس کی طرف اشارا تھا

سجودِ حسن کی تمکیں پہ بار تھا ورنہ
جبینِ شوق کو یہ ننگ بھی گوارا تھا

چمن میں آگ نہ لگتی تو اور کیا ہوتا
کہ پھول پھول کے دامن میں اک شرارا تھا

تباہیوں کا تو دل کی گلہ نہیں لیکن
کسی غریب کا یہ آخری سہارا تھا

بہت لطیف تھے نظارے حسنِ برہم کے
مگر نگاہ اٹھانے کا کس کو یارا تھا

یہ کہیے ذوقِ جنوں کام آگیا تاباںؔ
نہیں تو رسم و رہِ آگہی نے مارا تھا

بکمالِ بے خبری کو خبر سمجھتے ہیں
تری نگاہ کو جو معتبر سمجھتے ہیں

فروغِ طور کی یوں تو ہزار تاویلیں
ہم اِک چراغ سرِ رہ گزر سمجھتے ہیں

لبِ نگار کو زحمت نہ دو خدا کے لئے
ہم اہلِ شوق زبانِ نظر سمجھتے ہیں

جنابِ شیخ سمجھتے ہیں خوب رندوں کو
جنابِ شیخ کو ہم بھی مگر سمجھتے ہیں

اُس عارفانہ تغافل نے راز کھول دیا
کہ باخبر ہے جسے بے خبر سمجھتے ہیں

وہ خاک سمجھیں گے رازِ گل و سمن تاباںؔ
جو رنگ و بو کو فریبِ نظر سمجھتے ہیں

چمن میں کس نے کسی بے نوا کا ساتھ دیا
وہ بوئے گل تھی کہ جس نے صبا کا ساتھ دیا

دیا جو ساتھ تو پھر کس بلا کا ساتھ دیا
شکستِ غم نے ہر اک مدّعا کا ساتھ دیا

فروغِ بادہ نے رنگِ حیا کا ساتھ دیا
غرض اسی بُتِ کافر ادا کا ساتھ دیا

خیالِ یار ترا شکریہ رہِ غم میں
بس ایک تو نے دلِ مُبتلا کا ساتھ دیا

نگاہِ شوق کے یہ حوصلے کوئی دیکھے
کہ ہر نظارۂ صبر آزما کا ساتھ دیا

میں کس طرح سے کروں کم نگاہیوں کا گلہ
تری جفاؤں نے ذوقِ وفا کا ساتھ دیا

تجھے خبر بھی نہیں ہے کہ دل کی دھڑکن نے
کہاں کہاں تری آوازِ پا کا ساتھ دیا

دلِ خراب کی بیہودگیاں توبہ!
جفا کے بعد بھی اہلِ جفا کا ساتھ دیا

اب اس سے آگے وہ مسجد یہ میکدہ تاباںؔ
یہاں تلک تو کسی پارسا کا ساتھ دیا

بنامِ مصلحت دیتا ہے درسِ مکر و فن تاباںؔ
بہت دل چسپ ہے ناصح کا اندازِ سخن تاباںؔ

شمیمِ لالہ و گل تھی کہ بوئے پیرہن تاباںؔ
چمن کو دیکھ کر یاد آ گئی وہ انجمن تاباںؔ

بالآخر رنگ لایا آپ کا دیوانہ پن تاباںؔ
وہ پھر برپا ہوا ہنگامۂ دار و رسن تاباںؔ

سوادِ تاک میں اک شعلۂ گم نام تھی کل تک
وہی صہبا کہ جو ہے آج شمعِ انجمن تاباںؔ

وہ کیا جانے مقامِ رندی و مے خانہ آشامی
نہ آئے راس جس کو تلخیٔ کام و دہن تاباںؔ

وہی وحشت وہی اندازِ رم شہری غزالوں کے
گلی کوچے ہیں دلّی کے ختن اندر ختن تاباںؔ

بہت کچھ کہہ گئے ہیں شاعری کی اصطلاحوں میں
نہ جانے کس طرف ہے آپ کا روئے سخن تاباںؔ

وقت کی مانگ ہے روشن ہو سرِ دار چراغ
عشق کو فرصتِ نظّارگیٔ طور نہیں

بھر آئی آنکھ تو اکثر کسی کے نام کے ساتھ
مگر وہ اشک جو چھلکائے ہیں جام کے ساتھ

فروغ جلوۂ ساقی فروغِ جام کے ساتھ
چراغ جلتے ہیں کس حُسنِ اہتمام کے ساتھ

مہِ تمام کی باتیں مہِ تمام کے ساتھ
وہ رات ہو گئی منسوب ان کے نام کے ساتھ

قفس میں رہ کے بھی اکثر بہار کا دامن
نظر سے چوم لیا ہم نے احترام کے ساتھ

چمن پہ سایۂ ابرِ بہار کیا کہئے
وہ زلف رُخ پہ بکھرتی ہے التزام کے ساتھ

وفا تو دولتِ ناموسِ دل لُٹا بیٹھی
ہوس کو ربط مبارک ہو ننگ و نام کے ساتھ

کوئی سمجھ نہ سکا رازِ دلبری تاباںؔ
یہ لطفِ خاص ہے اِک شانِ انتقام کے ساتھ

اک حادثۂ شوق کہ دل بھول چلا تھا
آیا ہے کبھی یاد تو ہر زخم ہرا تھا

ہر چند کہ وہ شوق پشیمانِ جفا تھا
کیا جانیے کیا عشق کی غیرت کو ہوا تھا

وہ سحر اشارات، وہ افسون و کنایات
اک وہمِ تمنا تھا مگر ہوش رُبا تھا

بربادیٔ نکہت پہ تقاضائے نمو تھی
پھولوں کو مگر بادِ بہاری سے گلا تھا

شعلہ سا تہہِ زلف بھڑک جائے ہے ناداں
ہر لمسِ نظر سلسلہ جنبانِ حیا تھا

گلشن میں صیّاد کی سازش آخر کو ناکام ہوئی
بال و پر کی نشو و نما کچھ اور بھی زیرِ دام ہوئی

مسجد کے آداب جُدا، میخانے کا دستور جُدا
شیخ کی نادانی سے اِک معصوم سی شے بدنام ہوئی

شہرِ عشق کے رہنے والے زیست بسر یوں کرتے ہیں
عارض مہکے، صبح منائی، زلفیں بکھریں شام ہوئی

محفل محفل شمع جلائی، ہم نے سخن کی گرمی سے
کل تھی بقیدِ طورِ سینا، آج تجلّی عام ہوئی

اُس کی نظر بھی اے تاباںؔ اِک جادو ہے اک افسوں ہے
جھک کے اُٹھی اعجاز ہوئی، جب اُٹھ کے جھکی الہام ہوئی

گلشن میں صیّاد کی سازش آخر کو ناکام ہوئی
بال و پر کی نشو و نما کچھ اور بھی زیرِ دام ہوئی

مسجد کے آداب جُدا، میخانے کا دستور جُدا
شیخ کی نادانی سے اِک معصوم سی شے بدنام ہوئی

شہرِ عشق کے رہنے والے زیست بسر یوں کرتے ہیں
عارض دہکے، صبح منائی، زلفیں بکھریں شام ہوئی

محفل محفل شمع جلائی، ہم نے سخن کی گرمی سے
کل تھی بقیدِ طورِ سینا، آج تجلّی عام ہوئی

اُس کی نظر بھی اے تاباںؔ اِک جادو ہے اک افسوں ہے
جُھک کے اُٹھی اعجاز ہوئی، جب اُٹھ کے جھکی الہام ہوئی

اِک حادثہ، شوق کہ دل بھول چلا تھا
آیا ہے کبھی یاد تو ہر زخم ہرا تھا
ہر چند کہ وہ شوق پشیمانِ جفا تھا
کیا جانیے کیا عشق کی غیرت کو ہوا تھا
وہ سحر اشارات، وہ افسون وکنایات
اِک وہمِ تمنّا تھا مگر ہوش رُبا تھا
بربادیِ نکہت پہ تقاضائے نمو تھی
پھولوں کو مگر بادِ بہاری سے گِلا تھا
شعلہ سا تہہِ زلف بھڑک جائے ہے تاباںؔ
ہر لمسِ نظر سلسلہ جنبانِ حیا تھا

دولتِ فکرِ رسا طبعِ رواں پائی ہے
غالبؔ و میرؔ کی ورثے میں زباں پائی ہے

اتنی آساں تو نہ تھی کام و دہن کی تہذیب
مدّتوں تربیتِ پیرِ مغاں پائی ہے

کس کو ملتا ہی غمِ زیست سے دُنیا میں فراغ
ہاں کبھی تیری جفاؤں میں اماں پائی ہے

نازپروردۂ محرومیٔ و حرماں ہے یہ دل
پرورش دیکھنا ظالم نے کہاں پائی ہے

جلوۂ حسنِ فراواں پہ نہ جا ان کا غرور
ہم بھی نازاں ہیں کہ چشمِ نگراں پائی ہے

ایک آشوبِ تمنّا پہ نہیں کچھ موقوف
دل نے ہر رنگ میں تعلیمِ زیاں پائی ہے

کل جو تاباںؔ کے انھیں شعر سُنائے تو کہا
ہائے کم بخت نے کیا طرزِ بیاں پائی ہے

وہ روشنی کہ بقیدِ سحر نہیں اے دوست
ترا جمال ہے میری نظر نہیں اے دوست

ترے بغیر وہ شام و سحر نہیں اے دوست
کوئی چراغ سرِ رہ گزر نہیں اے دوست

شبِ وصال یہ محویتوں کا عالم ہے
کسی کی ہائے کسی کو خبر نہیں اے دوست

مہ و نجوم بھی گرمِ سفر تو ہیں لیکن
کوئی بھی ان میں مرا ہم سفر نہیں اے دوست

کبھی ادھر سے جو گزرے تو سرسری گزرے
سوادِ طور تری رہ گزر نہیں اے دوست

ترس نہ کھا تو غریقِ ستم سمجھ کے مجھے
ابھی مرا سرِ دامن بھی تر نہیں اے دوست

بہانہ ڈھونڈھ لیا تجھ سے بات کرنے کا
کچھ اور مقصدِ عرضِ ہنر نہیں اے دوست

وہ نازک سا تبسّم رہ گیا وہمِ حسیں بن کر
نمایاں ہو گیا ذوقِ ستم چینِ جبیں بن کر

بہت اترا رہی ہے رات زلفِ عنبریں بن کر
بہت مغرور ہے نورِ سحر رنگِ جبیں بن کر

مری جامہ دری نے راز یہ کھولا زمانے پر
خرد دھوکے دیا کرتی ہے جیب و آستیں بن کر

کرم میں بھی مگر اک غمزۂ خوں ریز شامل تھا
نظر دل کی طرف اٹھی تو دل کی نکتہ چیں بن کر

مری دیوانگی تھی اک شرارِ آرزو دل میں
بڑھی تو دار پر روشن ہوئی شمعِ یقیں بن کر

پیام آتے رہے اکثر کسی محوِ تغافل کے
ادائے برملا بن کر نگاہِ شرمگیں بن کر

وہی بجلی کبھی مصروفِ کارِ طور آشوبی
کبھی آرائشِ محفل چراغِ ساتگیں بن کر

وہ اک سجدہ نہ ہو پایا جو بربادِ حرم تاباں
جبینِ شوق پر روشن ہے پندارِ جبیں بن کر

اُس شوخ کی ناوک فگنی میرے لئے ہے
وہ کم نگہی کم سخنی میرے لئے ہے

در پردہ مگر سحر فنی میرے لئے ہے
ہر کوششِ تمکیں شکنی میرے لئے ہے

اک سروِ خراماں کو بھی مانگے ہے تمنّا
آشوبِ چمن خوش چمنی میرے لئے ہے

غیروں کے لئے حسنِ کرم حسنِ نوازش
اک طرزِ جفا ہے کہ بنی میرے لئے ہے

اے دوست بڑھے اور تری بزم کی رونق
کافی مری خود انجمنی میرے لئے ہے

غم اور بھی پائے ہیں ترے غم کے علاوہ
فطرت بھی کسی طرح غنی میرے لئے ہے

یا زحمتِ عیسیٰ نفسی میرے لئے تھی
یا شیوۂ بیداد فنی میرے لئے ہے

اس دورِ فراغت میں بھی قسمت ہے بدستور
تاباںؔ غمِ تشنہ دہنی میرے لئے ہے

وابستۂ آرزوِ نظر ہے تمھارے ساتھ
شب ہے ہمارے ساتھ سحر ہی تمھارے ساتھ

شعلہ ہو تم ہجومِ شرر ہے تمھارے ساتھ
یعنی جلوسِ شمس و قمر ہے تمھارے ساتھ

یوں تو ہمیں تھی ہمرہیِ خضر بھی نصیب
دل نے کہا کہ لطفِ سفر ہے تمھارے ساتھ

رنگِ چمن، نگارِ خمستاں، فروغِ دیر
ہر منظرِ حیات اثر ہے تمھارے ساتھ

اللہ رے یہ حسن کی جادو خرامیاں
جنبش میں جیسے راہ گزر ہے تمھارے ساتھ

وابستہ تم سے صبحِ بہاراں کی آبرو
بادِ شمال و نورِ سحر ہے تمھارے ساتھ

تاباں کو یوں تو اور بھی دیتے ہیں دادِ شعر
مخصوص لطفِ عرضِ ہنر ہی تمھارے ساتھ

جب سے تری جانب نگراں رہنے لگا ہے
دل بے خبرِ کون و مکاں رہنے لگا ہے

اک غمزۂ پنہاں کہ عیاں رہنے لگا ہے
خود اہلِ تغافل پہ گراں رہنے لگا ہے

اللہ رے اُس انجمنِ ناز کی رونق
فردوس کا نظروں میں سماں رہنے لگا ہے

ہنے کو تو اللہ کا گھر ہے حرمِ دل
اب اک بُتِ کافر بھی وہاں رہنے لگا ہے

ے محوِ تغافل کا تصرّف ہی کہ اب شوق
بیگانۂ نازِ دگراں رہنے لگا ہے

پھ عشق جفا دوست پہ بھاری ہے ترا لطف
کچھ شوخ اداؤں پہ گراں رہنے لگا ہے

پھر یاد ستانے لگی اِک شوخ کی تاباںؔ
پھر بیٹھے بٹھائے خفقاں رہنے لگا ہے

آج کسی نے باتوں باتوں میں جب اُن کا نام لیا
دل نے جیسے ٹھوکر کھائی درد نے بڑھ کے تھام لیا

گھر سے دامن جھاڑ کے نکلے وحشت کا سامان نہ پوچھ
یعنی گردِ راہ سے ہم نے رختِ سفر کا کام لیا

دیواروں کے سائے سائے عمر بتائی ۔ دیوانے
مُفت میں تن آسانیِ غم کا اپنے سر الزام لیا

راہِ طلب میں چلتے چلتے تھک کے جب ہم چُور ہوئے
زلف کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے پل دو پل آرام لیا

ہونٹ جلیں یا سینہ سُلگے کوئی تُرس کب کھاتا ہے
جام اُسی کا جس نے تاباںؔ جُرأت سے کچھ کام لیا